

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرونے آغاز

جہاد کے بعض احکام

سید جلال الدین عمری ————— جہاد اسلامی ریاست کا عمل ہے

جہاد اسلامی ریاست کے دائرہ اختیار میں ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ جہاد کرے گی۔ اسلامی ریاست میں بھی اس کا اختیار افراد کو نہیں ہے کہ جو چاہے جہاد کے نام پر کھڑا ہو جائے اور جسے دشمن اسلام سمجھے اس پر یورش کر دے۔ ریاست کی طرف سے جہاد کا اعلان ہو تو جن لوگوں کو اس میں شرکت کے لیے کہا جائے گا ان کے لیے شرکت لازمی ہوگی۔ وہ بغیر عذر کے اس سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔ ایسے نازک موقع پر جو لوگ پیچھے رہ جائیں قرآن مجید نے ان پر سخت تنقید کی ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ
إِذَا قِيلَ لَكُمْ افْعَوْا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ إِذَا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ
أَرْضَيْنَا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنْ
الْآخِرَةِ ۖ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ إِنَّ تَتَّقُوا
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ وَيَسْتَبْدِلْ
قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں دوڑو تو تم زمین سے چمٹ جاتے ہو؟ کیا آخرت کو چھوڑ کر تم دنیا کی زندگی پر خوش اور مطمئن ہو گئے ہو حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی محض تھوڑا سا ساڑو سامان ہے۔ اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(التوبة: ۳۸-۳۹)

اس سے یہ بات واضح ہے کہ امام جیب جہاد کے لیے آواز دے تو جہاد فرض

ہو جائے گا اس آیت کے ذیل میں علامہ قرطبی کہتے ہیں:

إِنَّ الْإِمَامَ إِذَا عَيَّنَ قَوْمًا
وَنَدَّ بِهِمْ إِلَى الْجِهَادِ لَمْ يَكُنْ
لَهُمْ أَنْ يَتَأَمَّلُوا عِنْدَ التَّعْيِينِ
وَلْيَصِيرُ تَبَعِيْنَهُ فَرْضًا عَلَى
مَنْ عَيَّنَهُ لَا لِمَكَانِ الْجِهَادِ
وَلَكِنْ لِمَا عَيَّنَ الْإِمَامُ لَهُ

جب امام کچھ لوگوں کو متعین طور پر جہاد
کی دعوت دے تو ان کے لیے جائز نہ ہوگا
کہ وہ تعین کے بعد بیٹھیں۔ اس لیے
کہ امام متعین طور پر جن لوگوں کو جہاد کا حکم دے
وہ ان کے لیے فرض ہو جانے کا جہاد کی
وجہ سے نہیں بلکہ امام کی تعین کی وجہ سے۔

حدیث میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ جہاد سربراہ ریاست
یا امام کی سربراہی میں ہوگا۔ وہ جن لوگوں کو جہاد میں شرکت کا حکم دے، ان کے لیے اس
کی تعمیل ضروری ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ
جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتَفْرَغْتُمْ
فَانْصُرُوا لَهُ

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ البتہ
جہاد اور (اس کی) نیت باقی ہے اور
جب تم جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ ہو تو نکل پڑو۔

ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ جہاد امام کے تحت ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتِلُ
مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ فَإِنْ أَمَرَ
بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدْلٍ فَإِنَّ لَهُ
بِذَلِكَ أَحْبْرًا وَإِنْ قَالَ
بِغَيْرِكَ فَإِنَّ عَلَيْهِ مَنَّةً

بے شک امام ڈھال ہے، اس کے
پچھے جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ
تحفظ حاصل کیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ سے
تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس
کا اسے اجر ملے گا۔ لیکن اگر وہ دوسرا روئے

اختیار کرے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔

حدیث کے الفاظ ”الْإِمَامُ جُنَّةٌ“ (امام ڈھال ہے) کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح

۱۔ قرطبی: الجامع لاحکام القرآن ۹/۸، دارالکتب العلمیہ لبنان ۱۹۸۵ء

۲۔ بخاری: کتاب الجہاد والسیر باب وجوب النفر الخ مسلم: کتاب اللہ باب الملبیۃ بعد فتح مکہ الخ

۳۔ بخاری: کتاب الجہاد والسیر باب قتال من ارتد الخ مسلم: کتاب الامم باب الامام جنتہ الخ

جہاد کے بعض احکام

ڈھال مخالف کے حلوں کو رکھتی ہے، اسی طرح امام دشمن کے وار کو روکتا ہے۔ وہ کسی فرد یا گروہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا ضرر یا تکلیف پہنچائے۔ اسی طرح خود مسلمانوں کو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی اور ایذا رسانی سے باز رکھتا ہے۔ آگے اسی کی تشریح کی گئی ہے کہ یُقَاتِلُ مَنْ وَرَآئِهِ وَیُتَّقِیْہِ۔ (اس کے پیچھے جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ مشکلات اور پریشانیوں میں تحفظ حاصل کیا جاتا ہے۔) ۱

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ریاست کا نگران اور محافظ ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ ریاست کو دشمن کی یورش سے بچائے، لوگوں کو جان و مال اور ان کے حقوق کا تحفظ فراہم کرے اور کسی بھی جارحیت کے مقابل میں ڈھال بنا رہے۔ اس کے لیے وہ جہاد کرے تو ریاست کے شہری اس کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور اس کے جھنڈے تلے جہاد کریں گے۔ حدیث کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ حق و انصاف کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے نوازے گا اور اگر وہ ظلم و زیادتی کی روش اپنائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی باز پرس ہوگی۔ بعض دوسری حدیثوں میں یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد ہمیشہ جاری رہے گا، لیکن یہ امام یا سربراہ مملکت کے تحت ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ امام خدا ترس اور متقی ہو یا غلط کار اور فاسق، جب تک وہ امیر ہے جہاد میں اس کا ساتھ دیا جائے گا اور اس کی قیادت میں جنگ کی جائے گی۔

الجہاد واجب علیکم
مع کل امیر بنی کان اذفا حبرا
وإن عمل الکبائر ۱۰
جہاد تم پر واجب ہے ہر امیر کے ساتھ
چاہے وہ نیک ہو یا غلط کار اور چاہے
وہ کبائر ہی کا ارتکاب کر رہا ہو۔

۱۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ”الإمام حَبَّۃٌ“ کا مطلب یہ ہے کہ امام دشمن کے مقابلے میں سپر ہوتا ہے اور مسلمانوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ”یُقَاتِلُ مَنْ وَرَآئِهِ“ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ وہ اصل معنی تو پیچھے کے ہیں لیکن یہ لفظ آگے اور پیچھے دونوں معنی میں بولا جاتا ہے اور یہی دونوں معنی یہاں مراد ہیں۔ امام کے آگے اور پیچھے ہر طرف سے جنگ کی جائے گی اور اس کی حفاظت کی جائے گی۔ فتح الباری ۲/۲۱۸۔

۱۰۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب الغزو مع الملجور۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو داؤد اور ابویلی نے ۳۶۷

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ جہاد اسلامی ریاست کے امام یا امیر کے تحت ہوگا۔ اس کی وجہ واضح ہے۔ جہاد بے مقصد قتل و غول ریزی نہیں بلکہ اعلیٰ مقاصد کے لیے کی جانے والی جنگ ہے۔ اس سے متعلق بہت سے نازک مسائل ہیں۔ اس کے لیے باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوج کا پایا جانا اور اس کا پوری طرح کنٹرول میں اور حکم کا پابند ہونا ضروری ہے پھر یہ طے کرنا ہوگا کہ کس سے جنگ ہو اور کس سے صلح؟ اگر جنگ ہو تو اس کے کیا تقاضے ہیں اور صلح ہو تو کن شرائط پر ہو؟ جنگ کے بعد کے معاشی، سیاسی، اخلاقی، ملکی اور بین الاقوامی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ جنگ میں فتح ہو تو مفتوح اقوام کے ساتھ کیا معاملہ ہو؟ شکست ہو تو اس کے کیا نتائج ہوں گے اور ان پر قابو پانے کی کیا تدبیر کی جائے گی؟ یہ سب امور ریاست کے دائرے میں آتے ہیں، وہی ان کی مخاطب ہے، اسلام نے بہت تفصیل سے ان تمام پہلوؤں سے ریاست کی رہنمائی کی ہے۔ فرد اس کا مخاطب نہیں ہے اس لیے کہ وہ اس کا بلو جھ اٹھا نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جہاد کا معاملہ ریاست سے متعلق ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں۔

أمر الجہاد موکل الی الإمام جہاد کا معاملہ امام اور اس کے اجتہاد
واجبہادہ و یلزم الرعیۃ طاعته کے حوالے ہے عوام کے لیے لازم ہے کہ
فی مایراد لہ امام جو فیصلہ کرے اس میں اس کی اطاعت کرے۔

۳۔ مرفوع اور موقوف دونوں طریقوں سے روایت کی ہے۔ اس کے رواۃ قابل قبول ہیں۔ البتہ یہ روایت ابو ہریرہؓ سے کچھ تابعی نے کی ہے اور کچھ ابو ہریرہؓ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ فتح الباری ۶/۱۴۴

امیر اگر فتنہ و فوج میں مبتلا ہو تو امت کی کیا ذمہ داری ہے؟ امام الحزین کہتے ہیں ”حاکم وقت اگر ظلم و زیادتی اور من مانی کرنے لگے، فہمالش سے باز نہ آئے تو اہل حق و عقد کو متفق ہو کر اسے برطرف کر دینا چاہیے، چاہے اس کے لیے ہتھیار اٹھانا اور جنگ کرنی پڑے۔ شرح المقاصد ۲۳۲/۵، ۲۳۴، عالم الکتب بیروت ۱۹۸۹ء۔ یہ بات غالباً ان ممالک کے لیے پیش نظر رکھنی چاہیے جہاں بادشاہت یا آمریت ہو۔ لیکن جمہوری ملکوں میں بغیر تلوار اٹھانے پر ان طریقہ سے بھی تبدیلی آسکتی ہے۔ اس پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔

لہ ابن قدامہ : المنہی ۱۳/۱۶۔ ہجری، القاہرہ ۱۹۹۲ء

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

انہم لایخربون الا باذن
لوگ امیر کی اجازت ہی سے جہاد کے لیے
نکلے گئے، الایہ کر دشمن ان پر اپنا حکم کر دے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کا فیصلہ کرنا امیر مملکت کے ہاتھ میں ہوگا۔ عام لوگ اس کے فیصلہ کے پابند ہوں گے، البتہ اگر کبھی ریاست کے کسی ذمہ پر خصوصاً سرحدی علاقہ پر دشمن کا اچانک حملہ ہو جائے اور ریاست کے سربراہ کو اس کی خبر نہ ہوئے یا اس کی طرف سے جہاد کا حکم جاری ہونے میں تاخیر ہو تو مقامی افراد بلا اجازت اسی ملک کا دفاع کریں گے۔ موجودہ دور میں اس طرح کی صورت حال کا امکان کم ہے۔ ہر مملکت سرحدی حالات سے باخبر رہتی ہے اور باقاعدہ فوج سرحدوں کی نگرانی کرتی ہے۔ اس لیے جنگ کا فیصلہ ہر حال ریاست ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔

جہاد فرض کفایہ ہے

بعض اوقات جہاد کا اس طرح ذکر ہوتا ہے جیسے یہ مسلمان پر فرض ہے اور جو اس میں کوتاہی کرے گا وہ گناکار ہوگا۔ کفار اور مخالفین سے جنگ پوری امت کا نصب العین ہے اور اسلام اسی کے لیے اس کے ایک ایک فرد کو تیار کرتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات کی غلط ترجمانی ہے۔ اسلام نے دین کی حفاظت اور سربلندی کے لیے جہاد کی ترغیب ضرور دی ہے اور اس کا بے پایاں اجر و ثواب بھی بیان کیا ہے۔ لیکن اسے ہر ایک پر فرض نہیں قرار دیا ہے۔ قرآن نے صراحت کی ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَكُفَّلَ
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً
وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفُضِّلَ

اہل ایمان میں سے وہ جو عجز و زہد میں ہیں پھر بھی بیٹھے
رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں
اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، برابر نہیں
ہو سکتے۔ وہ لوگ جو اپنے مالوں اور جانوں
سے جہاد کرنے والے ہیں اللہ نے انہیں بیٹھے
رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت عطا کی ہے
اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے

سہ ابن قتادہ: المغنی ۱۳/۱۵۲

اللَّهُ الْمُصْبِحِينَ عَلَى الْقُعْدِينَ
أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَ
مَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَّحِيمًا (انعام: ۹۵-۹۶)

اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے
کی فضیلت دی ہے جو اس کی طرف سے
درجات اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بڑا
معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فقہی اصطلاح میں یوں کہا جائے گا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے یہ اسلامی
ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دفاع کا نظم کرے اور جو قوتیں برسرِ پیکار ہیں ان کے
مقابلہ کے لیے جتنی افرادی قوت کی ضرورت ہے وہ فراہم کرے۔ جہاد میں وہی لوگ
شریک ہوں گے جنہیں اسلامی ریاست اس کے لیے تیار کرے گی اور جو اس کی فوج میں
شامل ہوں گے۔ ان آیات میں مجاہدین کی فضیلت کے بیان میں 'درجہ' اور 'درجات'
کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کی توجیہ علامہ زرخش نے یہ کی ہے کہ جو لوگ جہاد میں شرکت
سے معذور ہیں ان کے مقابلہ میں مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت ہے اور جو غیر معذور جنگ
میں شریک نہیں ہیں ان پر مجاہدین کو کوئی درجہ فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ زرخش نے کے
الفاظ ہیں۔

وَأُمَّا الْمُعْضَلُونَ دَرَجَاتٍ
فَالَّذِينَ فَضِّلُوا عَلَى الْقُعْدِينَ
الَّذِينَ أَوْذَنَ لَهُمُ التَّخَلُّفَ
اِكْتِفَاءً بِخَيْرِكَ لِأَنَّ الْفَزْوَ
فَرْضَ كَفَايَةٍ لَهُ

جن لوگوں کو کوئی درجہ فضیلت حاصل
ہے، یہ فضیلت ان لوگوں کے مقابلہ میں
ہے جن کو جہاد میں عدم شرکت کی وجہ
سے اجازت دے دی گئی کہ اس کے
لیے دوسرے لوگ کافی تھے اس لیے کہ

جہاد فرض کفایہ ہے (سب پر فرض نہیں)

آیت کے الفاظ وَاكْفَاءً بِخَيْرِكَ وَالَّذِينَ أَوْذَنَ لَهُمُ التَّخَلُّفَ (اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ
کیا ہے) سے استدلال کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر کہتے ہیں :-

فيه دلالة على أن الجهاد
ليس بفرض عين بل هو فرض على الكفاية

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد
فرض عین نہیں ہے بلکہ یہ فرض علی الکفایہ ہے۔

سہ زرخش، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/ ۵۴۲-۵۴۳ - دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۵ء

سہ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱/ ۵۴۱

فقہ حنبلی میں کہا گیا ہے۔

الجهاد فرض على الكفاية
إذا قام به قوم سقط عن
الباقيين

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

معنى فرض الكفاية الذي
ان لم يقم به من يكفي اثم
الناس كلهم وان قام به
من يكفي سقط عن سائر الناس
فالخطاب في ابتداءه
يتناول الجمع له

تمام ہی لوگوں کو شامل ہوتا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں جہاد کی قانونی حیثیت اور اس کی علت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

وهو (الجهاد) فرض على
الكفاية لأنه ما فرض لعينه
إذ هو إفساد في نفسه وإنما
فرض لإعزاز دين الله ووقع
الشروع في العباد فإذا حصل
المقصود بالبعض سقط
عن الباقيين كصلاة الجنائزة
وردة السلام له

جہاد فرض کفایہ ہے، وہ اس لیے فرض
نہیں کیا گیا ہے کہ بذاتہ مقصود ہے۔ اس
لیے کہ وہ فی نفسہ خورنزری ہے۔ وہ درحقیقت
اللہ کے دین کی سر بلندی اور بندوں سے
شر کو دفع کرنے کی خاطر فرض کیا گیا ہے جب
یہ مقصود بعض افراد کے ذریعہ حاصل ہو جائے
تو باقی سے ساقط ہو جائے گا۔ جیسے نماز جنازہ
اور سلام کے جواب کا معاطہ ہے۔

۱۔ ابن قدامہ ۶/۱۳۔ حجۃ، القاہرہ ۱۹۹۲ء

۲۔ ہدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۲۱-۲۲۲ دارالکتب العلمیہ: لبنان ۱۹۹۵ء
۳۷۱

علامہ کا شافی نے بھی جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی یہی توجیہ کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

لَا بُدَّ مَا فُرِضَ لَهُ الْجِهَادُ جس مقصد سے جہاد فرض کیا گیا ہے
وَهُوَ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ وہ ہے (پہلے) اسلام کی دعوت دینا دین
وَأَعْلَاءُ الدِّينِ الْحَقِّ وَدَفْعُ حق کو سر بلند کرنا اور منکرین کے شر ان کے
مَشْرِئِ الْكُفْرِ وَهَرَمِ لِيَحْصَلَ قہر اور غلبے کو دفع کرنا۔ یہ مقصد بعض لوگوں
لِقِيَامِ الْبَعْضِ لَهُ کے کھڑے ہو جانے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

اس سے جہاد کا مقصد واضح ہے۔ وہ ہے (جہاد سے پہلے) اسلام کی دعوت دین حق کی سر بلندی، مخالفین اور معاندین کے شر اور ان کے غلبہ اور قہر کو دفع کرنا۔ یہ مقصد جب بعض افراد کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے تو اس کے لیے ریاست کے تمام مسلمانوں کا میدان جنگ میں کود پڑنا ضروری نہیں ہے۔ اسی پہلو سے جہاد کو فرض کفایہ کہا گیا ہے۔

جہاد کے فرض عین نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ اگر ہر فرد اس میں لگ جائے تو زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت جیسی دوسری ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں اور خود جہاد بھی نہیں کیا جاسکے گا۔

جہاد کب فرض عین ہوتا ہے؟

بعض ایسے حالات اور مواقع بھی آتے ہیں جب کہ آدمی کے لیے جہاد اختیاری عمل نہیں رہتا بلکہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ علماء نے ان کی بھی تعیین کی ہے۔ جہاد کے بارے میں اسلام کا موقف سمجھنے کے لیے ان سے واقفیت ضروری ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔
”جہاد فرض کفایہ ہے لیکن یہ تین صورتوں میں فرض عین ہو جاتا ہے۔ ایک یہ کہ محاذ جنگ

لہ کا شافی: بدائع الصنائع ۷/ ۱۳۵-۱۳۶

۱۳۵ مرغینانی، ہدایہ۔ علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ جہاد کو فرض عین قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب کے سب ایک ساتھ جہاد کے لیے نکل پڑیں باری باری یہ فرض ادا ہو سکتا ہے۔ اسی میں مذکورہ نقصان نہیں ہے۔ اصل دلیل سورہ نساء کی آیت ۹۵ ہے جو جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی مراحث کرتی ہے۔ ہدایہ مع فتح القدیر ۵/ ۳۲۲-۳۲۳

پردوں طرف کے لشکر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوں۔ اس صورت میں اسلامی فوج کے ہر سپاہی کے لیے جہاد فرض ہو جائے گا اور کسی بھی شخص کے لیے جنگ سے فرار جائز نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مسلم آبادی پر دشمن کا غلبہ ہو جائے (یعنی اسلامی ریاست کے کسی شہر پر مخالفت طاقت کا قبضہ ہو جائے) اس صورت میں وہاں کے باشندوں میں سے ایک ایک کے لیے اس کا مقابلہ کرنا اور اسے اپنے علاقہ سے نکال باہر کرنا فرض ہو جائے گا۔ تیسری صورت یہ کہ امام کی طرف سے نفیر عام (عام لام بندی کا حکم) ہو۔ اس وقت جس علاقہ سے اس کا خطاب ہوگا اس میں جو فرد بھی جنگ کے قابل ہوگا اسے امام کی آواز پر حاضر ہونا ضروری ہوگا۔

یہ وہ صورتیں ہیں جن میں دنیا کی ہر ریاست اپنے شہریوں پر جنگ میں شرکت اور دشمن کے مقابلہ کو لازم قرار دیتی ہے۔ کسی فوجی کا محاذ جنگ سے فرار اختیار کرنا ہمیشہ سے ایک سنگین جرم رہا ہے۔ ریاست کے کسی حصہ پر دشمن کا قبضہ ہو اور وہاں کے باشندے خاموشی سے اس قبضے کو برداشت کر لیں اور اس کی مدافعت نہ کریں تو اسے ریاست سے عدم وفاداری کے ہم معنی سمجھا جائے گا اور اس کے خلاف سخت کارروائی ہوگی۔ اسی طرح ریاست کسی وقت ان افراد اور جوانوں کو جو جنگ کے قابل ہیں، محاذ جنگ پر بھیجنا چاہے تو اس کی آواز پر لبیک کہنا ضروری ہوگا۔ اس سے بچنے کی ہر کوشش قابل مذمت اور قابل تفریح خیال کی جائے گی۔

اس سے واضح ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے، البتہ بعض حالات میں یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ ان حالات کا تعلق ریاست کی ضروریات اور اس کی بقا اور سلامتی سے ہے۔

فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہے

یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی فرض عین کو پس پشت ڈال کر فرض کفایہ پر عمل نہیں ہوگا۔ اسے جہاد ہی سے متعلق ایک مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

جہاد کے لیے والدین کی اجازت کی شرط

والدین اگر خدمت کے محتاج ہوں تو انھیں نظر انداز کر کے جہاد میں شرکت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور والدین خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی خدمت فرض عین ہے۔ احادیث میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے والدین حیات ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا:

ففيهما جاهد لهما
تو تم ان کے سلسلہ میں جہاد کرو۔

مطلب یہ کہ اپنی قوت اور توانائی ان کی خدمت میں لگاؤ مسلم کی ایک روایت میں اس کی مزید تفصیل ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد کے لیے آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے میرے پیش نظر اجر و ثواب ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی حیات ہے؟ اس نے کہا دونوں ہی حیات ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ سے اجر و ثواب چاہتے ہو؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا:-

فارجع الى والديك فاحسن
اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور

صحبتهما
ان کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:-

وفي الحديث دليل على
حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ

أن بر الوالدین قد يكون
والدین کے ساتھ حسن سلوک کبھی جہاد سے

أفضل من الجهاد
افضل ہو جاتا ہے۔

۱۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب الجہاد باذن الأبوين۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین وانہما حق یہ

۲۔ مسلم، حوالہ سابق

۳۔ شوکانی: نیل الاوطار: ۲۵۰/۷۔ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبي قاہرہ، مہر ۱۹۷۱ء

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں، لیکن اس طرح آیا ہوں کہ میرے ماں باپ میری جدائی سے رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

فارجع الیہما فاضحکما
ان کے پاس واپس جاؤ۔ انھیں اس
طرح ہنساؤ (دخوش کرو) جس طرح تم
کما ابکیتمہما لہ
نے انھیں رلایا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے سفر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور جہاد میں شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا یمن میں تمہارا کوئی رشتہ دار بھی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ ہاں! ماں باپ ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا انھوں نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے؟ اس نے کہا اجازت نہیں دی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

ارجع الیہما فاستأذنیہما
واپس ان کے پاس جاؤ، ان سے
اجازت طلب کرو۔ اگر وہ اجازت دیں
تو جہاد کرو۔ ورنہ ان کے ساتھ صبر سلوک کرو۔
فان اذن لك فجاہد
والانبرہما

جاہد المسلمی کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میرا ارادہ غزوے میں شرکت کا ہے۔ آپ سے مشورے کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ نے دریافت کیا کہ کیا تمہاری ماں حیات ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا آپ نے فرمایا:

فانتمہا فان الجنة
اسے پکڑے رہو اس لیے کہ جنت اس
تحت رجلیہما لہ
کے قدموں کے نیچے ہے۔

۱۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب الرجل یغزو و ابواہ کاربان
۲۔ نسائی، کتاب الجہاد، باب الرخصة فی التحلف لمن له والدۃ۔ ابن ماجہ میں یہ روایت زیادہ تفصیل سے

آئی ہے۔ کتاب الجہاد، باب الرجل یغزو و ابواہ

۳۔ ابن رشد: بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد: ۴۰۹/۳۔ دارالکتب العلمیۃ لبنان ۱۹۹۶ء
۳۷۵

جہاد پر جانے کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ والدین کی خدمت فرض عین بن جائے اور جہاد کی حیثیت فرض کفایہ کی ہو تو والدین کی خدمت کو مقدم رکھا جائے۔ انھیں بے یار و مددگار چھوڑ کر جہاد کے لیے جانا صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر جہاد فرض عین ہو جائے اور محاذ جنگ پر جانا لازم قرار پائے تو والدین کے منع کرنے یا ان کی مجبوری کے باوجود آدمی جہاد پر جانے کا۔

علامہ ابن رشد نے اس مسئلہ میں فقہاء کا نقطہ نظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

عامة الفقهاء متفقون	عام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ فرض
على أن من شرط هذه	جہاد کی ایک شرط یہ ہے کہ اس میں والدین
الفرصة إذن الأئمة فيها	کی اجازت حاصل ہو لایہ کہ وہ فرض عین
إلا أن تكون عليه فرض عین	ہو جائے مثال کے طور پر کسی جگہ اس فرض
مثل أن لا تكون هنالك من يقوم	کے ادا کرنے کی یہی صورت ہو کہ سب لوگ
بالفرض إلا بقيام الجميع بـ	اس کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'فَإِنْ أَخَذْنَا جَاهِدُ' (اگر ماں باپ اجازت دیں تو تم جہاد کرو) یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جہاد میں شرکت کے لیے والدین کی اجازت حاصل کرنا واجب ہے۔ یہی جہور کی رائے ہے۔ انھوں نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک جہاد پر جانے سے منع کرے تو اولاد کے لیے جہاد پر جانا حرام ہے۔ اس لیے کہ ان کے ساتھ صحت سلوک فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ۔ ہاں اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو ان کی اجازت ضروری نہ ہوگی۔

مزید فرماتے ہیں: ابن حبان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ اسے اس صورت حال پر محمول کرنا ہوگا جب کہ جہاد فرض عین قرار پائے اس سے دونوں طرح کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

سہ ابن رشد: بذیہ المجتہد ونہایہ المقصد: ۳/ ۴۰۹۔ دارالکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۶ء

سہ شوکانی: نیل الاوطار: ۲/ ۲۵۰

غیر مسلم والدین کا حکم

ایک سوال یہ بھی فقہاء کے درمیان زیر بحث رہا ہے کہ کیا غیر مسلم والدین کا بھی وہی حکم ہے جو مسلم والدین کا ہے؟ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کے لیے ان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جہاد کے لیے نکلتے تھے اور مخالفین کی صف میں ان کے کافر ماں باپ ہوتے تھے۔ ان سے اجازت لے کر وہ شریک جہاد نہیں ہوتے تھے۔ لیکن امام ثوریؒ کہتے ہیں کہ ماں باپ کافر ہوں تو بھی ان کی اجازت ہی سے آدمی جہاد پر جائے گا۔

فقہ مالکی میں کہا گیا ہے کہ والدین کو اس بات کا حق ہے کہ فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے سفر پر جانے سے اولاد کو روک دے، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ جہاد کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جہاد پر جانے سے اولاد کو روکنے کا کافر والدین کو حق نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اسلام کی توہین و تذلیل کے جذبے سے اسے روک رہے ہوں۔ لیکن اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ شفقت و محبت کی وجہ سے اسے وہ منع کر رہے ہیں تو ان کی بات مانی جائے گی۔

علامہ ابن عابدین حنفی کہتے ہیں ”ماں باپ کو اور ان میں سے ہر ایک کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اولاد کو جہاد پر جانے سے روک دیں۔ اس سے وہ گنہگار نہیں ہوں گے اگر ماں باپ کو اولاد کے سفر پر جانے سے شدید تکلیف ہو رہی ہے یا بے توجہی سے ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو وہ منع کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں فقہ حنفی میں کافر اور مسلمان والدین میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ کافر ماں باپ کفر کی محبت میں جہاد سے روک رہے ہوں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔“

۱۔ ابن قدامہ: المغنی: ۱۳/۲۶

۲۔ صاوی علی الشرح الصغير: ۲۴۴/۲

۳۔ ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار: ۲۰۲/۶

بعض مزید وضاحتیں

جہاد میں شرکت کے لیے والدین کی اجازت کے ذیل میں فقہاء نے بعض اوریاتوں کی وضاحت کی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ انہیں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ جہاد میں جان کا خطرہ ہے۔ اس میں ایک طرف تو والدین کی ضروریات اور ان کے حقوق کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور دوسری طرف ان کے جذبات کی بھی رعایت ہے۔ اس وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر آدمی کوئی ایسا سفر کرنا چاہے جس میں اس کی جان کو بظاہر کوئی خطرہ لاحق ہو تو اس کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔ یہ والدین کی نافرمانی نہیں سمجھی جائے گی۔ علامہ کا شانی کہتے ہیں:

والأصل أن كل سفر لا يومن فيه الهلاك ويشته فيه الخطر لا يحل للولد أن يخرج إليه بغير إذن والديه لأنهما مشفقان على ولد هما فيتضرران بذلك، وكل سفر لا يشته فيه الخطر يحل له أن يخرج إليه بغير إذنهما، لأنهما لا يتضرران بذلك بل يتفعان به فلا يلحقه سمة العقوق له

اس میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ سفر جس میں آدمی بالکثرت سے محفوظ نہ ہو اور شدید خطرہ ہو تو اولاد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے والدین کی اجازت کے بغیر اس طرح کے سفر پر جائے کیونکہ وہ ان پر مہربان ہوتے ہیں اور اس طرح کے سفر سے ان کو نقصان پہنچے گا، اس کے برخلاف کوئی بھی ایسا سفر جس میں شدید خطرہ نہ ہو تو اولاد کے لیے جائز ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرے۔ اس لیے کہ اس سے ان کو کوئی ضرر نہیں لاحق ہو گا بلکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لہذا اولاد پر والدین کی نافرمانی کا الزام نہیں آئے گا۔

اسی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر اولاد تجارت، حج اور عمرہ یا تعلیم کی خاطر سفر کر سکتی ہے۔^۱

۲۔ جہاد کے معاملہ میں والدین اور اولاد کا جو حکم ہے وہی حکم بیوی اور شوہر کا بھی ہے شوہر کی اجازت کے بغیر عورت جہاد پر نہیں جاسکتی۔ اس لیے کہ شوہر کے حقوق اس کے لیے فرض عین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہاں اگر جہاد اس پر فرض ہو جائے تو وہ اس کی اجازت کے بغیر بھی اس میں شریک ہوگی۔ اس سلسلے میں فقہاء نے آقا اور غلام کی مثال بھی دی ہے۔ غلام اپنے مالک کی اجازت ہی سے جہاد کے لیے جاسکتا ہے۔ (غلامی کا مسئلہ اس وقت عملاً نہیں ہے لیکن اس سے مسئلہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے) اسی طرح قرض دار کے بارے میں بہت سے فقہاء کی رائے ہے کہ وہ اسی وقت جہاد پر جاسکتا ہے جب کہ قرض دینے والا اس کی اجازت دے۔ اس لیے کہ اس میں اس کے حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر وہ ادائیگی قرض کا انتظام کر دے یا کوئی اس کا کفیل ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر بھی جہاد پر جاسکتا ہے۔^۲

۳۔ والدین کے احترام اور ان سے اجازت کی خاص اہمیت ہے لیکن شرعی فرائض کی ادائیگی میں انسان ان کی اجازت کا پابند نہیں ہے۔ ابن قدامہ جلی کہتے ہیں:

”جہاد فرض قرار پائے تو والدین کی عدم اجازت کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے کہ فرض کا ترک کرنا معصیت ہے۔ یہی حکم حج، باجماعت نماز، جمعہ میں شرکت اور ضروری علم کے لیے سفر کا ہے۔ یہ والدین کی اجازت پر منحصر نہیں ہے۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی، جمعہ، حج اور جہاد (جب وہ فرض ہو جائے) سے والدین منع کریں تو ان کی اطاعت نہ ہوگی کیوں کہ یہ سب فرائض ہیں۔ ان کا حکم نماز کا حکم ہے۔“^۳

اسلام نے جن اعلیٰ مقاصد کے لیے جہاد کا حکم دیا ہے، اسلامی ریاست کو ان

۱۔ ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار ۶/۲۰۲، ۲۰۳۔

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار: ۶/۲۰۳-۲۰۵۔ ابن قدامہ: المغنی

۳/۲۸، ۲۷۔ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۲/۲۷۴

۳۔ ابن قدامہ: المغنی ۱۳/۲۶-۲۷

مقاصد کی تکمیل کے لیے جہاد کا حق ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اسلام نے افراد کے حقوق اور ملکی اور تمدنی ضروریات کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔ اسے نظر انداز کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسلام نے مقاصد جہاد اور انسانی حقوق کے درمیان بے مثال توازن قائم کیا ہے۔ فرد اور ریاست دونوں اس کے پابند ہیں کہ اس توازن کو برقرار رکھیں اور اسے نقصان نہ پہنچنے دیں۔

ادارۃ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک پیشکش

عہد نبوی کا نظام حکومت

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

سیرت نبوی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا لیکن اس کتاب میں اس لحاظ سے جدت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن سے کتب سیرت میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ابتداء میں عہد رسالت میں ریاست کے تدریجی ارتقاء پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اس کے دور مبارک میں شہری نظم و نسق اور فوجی، مالی اور مذہبی نظاموں سے مفصل بحث ہے اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی کا خاص موضوع ہے۔ ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری صدر ادارہ اور نائب امیر جماعت اسلامی ہند کا مختصر اور مفید مقدمہ بھی ہے۔

آفٹ کی خوبصورت طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات ۱۳۶ قیمت ۳۰/ زیادہ منگوانے پر خصوصی رعایت مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹہ۔ دودھ پور علی گڑھ